Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:2 (2005)

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۳ شمارہ: ۲

تفسیرِ نظامی: برّصغیر کی ایک قدیم صوفیانہ فارسی تفسیر

ڈاکٹر محمد سلیم خالد ☆

تفسیر نظامی بلاشبہ برّصغیر کی قدیم ترین اور عظیم الشان صوفیانہ فارسی تفسیر ہے جو ایک بلند پایہ صوفی اور بزرگ علامہ شیخ نظام الدین تھانیسری کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔

آپ کا اسمِ گرامی نظام الدین بن عبدالشکور بلخی تھا۔[۱] حضرت فاروقِ اعظمؓ کی اولاد میں سے تھے۔[۲] آپ مشہور بزرگ شیخ جلال الدین العمری التھانیسری (م ۹۸۹ھ) کے برادرزادہ اور داماد تھے۔ ان ہی سے دینی علوم کی تکمیل کی اور اخذِ طریقت کیا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔[۳] صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں:

> از اعاظم اولیایِ ہند، صاحب تصوف ظاہری و باطنی، جامع کمالات صوری و معنوی بودند، مذہباً حنفی، مشرب چشتی صابری داشت۔[۴]

تذکرہ علمائے ہند میں مرقوم ہے کہ اکبر بادشاہ (۹۶۳ھ ـ ۱۰۱۴ھ) نے آپ کو دوبار جلاوطن کیا پہلی بار آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے ۔بوقت مراجعت جب برہان پور سے گزرے تو شیخ عیسٰی سندھی (۹۶۱ھ/۱۵۵۴ء تا ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء) نے پا برہنہ آپ کا استقبال کیا، اپنے پاس ٹھہرایا اور مستفید ومستفیض ہوئے، دوسری بار جب جلاوطن ہوئے تو بلخ تشریف لے گئے۔[۵]

اکبر بادشاہ ۱۰۱۴ھ میں وفات پا گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ) سریر آرائے سلطنت ہوا اور پھر شہزادہ خسرو نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ جب وہ اکبر آباد سے پنجاب کی طرف گیا تو راستے میں تھانیسر میں شیخ نظام الدین سے طالب دُعا ہوا۔ اگرچہ آپ نے اُسے فتنہ و فساد سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن جہانگیر غضبناک ہوگیا اور اس نے آپ کی جلاوطنی کے احکامات صادر کر دیئے۔ اس طرح آپ حرمین شریفین میں چند سال قیام پذیر رہنے کے بعد بلخ تشریف لے گئے۔[۶]

اگر مندرجہ بالا دونوں بیانات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان میں معمولی سی تصحیح کی ضرورت ہے۔ اکبر ۹۶۳ھ/۱۵۵۴ء سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تک فرمان روا رہا، پھر اکبر کے بعد اس کا بیٹا

☆ اُستاد شعبۂ فارسی، گورنمنٹ کالج، بوچھال کلاں، ضلع چکوال۔

جہانگیر ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۳۷ھ تک حکمران رہا۔ شیخ نظام الدین ۱۰۰۷ھ کو حجازِ مقدس چلے گئے، اس وقت اکبر کی حکومت تھی۔ جب واپس آئے تو اس وقت (۱۰۲۰ھ) جہانگیر کی حکومت تھی۔ جب دوسری مرتبہ آپ بلخ گئے تو اس وقت بھی جہانگیر کی حکومت تھی۔[۷] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی مرتبہ اکبر کے حکم سے جلاوطن ہوئے اور ۱۳ سال حجاز میں قیام پذیر رہے اور دوسری مرتبہ جہانگیر کے عہد میں جلاوطن ہوئے۔ اس طرح تذکرہ علمائے ہند اور حدائقِ حنفیہ[۸] کا یہ بیان کہ اکبر بادشاہ نے انہیں دوبار جلاوطن کیا قرینِ صحت نہیں۔ تذکرہ علمائے ہند[۹] کے مطابق آپ کی وفات بلخ میں ۱۰۲۴ھ میں واقع ہوئی جبکہ خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق آپ نے ۱۰۳۶ھ میں دارِفانی سے رحلت فرمائی۔[۱۰]

تصانیف:

۱۔ شرح سوانح امام غزالی[۱۱]
۲۔ شرح لمعات قدیم و جدید[۱۲]
۳۔ رسالۂ حقیقت[۱۳]
۴۔ رسالۂ بلخیہ[۱۴]
۵۔ تفسیرِ نظامی[۱۵]

تعارفِ تفسیر

اس تفسیر کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تذکرہ علمائے ہند میں اس کا نام تفسیرِ نظامی درج ہے[۱۶] جبکہ خزینۃ الاصفیاء میں اس کا نام ریاض القدس تحریر کیا گیا ہے۔[۱۷] برگل نے اسے تفسیر سورۂ فاتحہ کا نام دیا ہے۔[۱۸]

جہاں تک تفسیر کی پذیرائی کا تعلق ہے اس کا اندازہ مختلف کتب خانوں میں موجود قلمی نسخوں سے کسی حد تک لگایا جا سکتا ہے، چند نسخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ گنج بخش لائبریری (مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان) اسلام آباد۔ یہ صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔[۱۹]

۲۔ تفسیر ریاض القدس، نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی۔ یہ سورہ فاتحہ کے علاوہ ساتویں اور آخری پارے کی تفسیر ہے۔[۲۰]

۳۔ برگل کے نسخے میں اِسے سورۂ فاتحہ ہی کہا گیا ہے اور یہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ بست ونہم (۲۹)

اور پارہ سی ام(۳۰) کی تفسیر پر مشتمل ہے۔[۲۱]

تفسیر کے مختلف نام اور حصے اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مفسر نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا یا پہنچانے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ تفسیر مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ ضخامت میں کم ہوتی گئی لیکن بایں ہمہ موجودہ حالت میں یعنی سورۂ فاتحہ، پارۂ ہفتم پارۂ بست ونہم اور پارہ سی ام کے پیش نظر بھی غیرمعمولی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ تفسیر پاک و ہند کی پہلی متصوفانہ فارسی تفسیر ہے جو ایک مشہور ، جیّد عالم اور باکمال و باعمل صوفی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ مفسّر، دیگر صوفیاء کی طرح اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ قرآن پاک کے ظاہری معانی کے علاوہ باطنی معانی بھی ہیں، یہ باطنی معانی یا اسرارِ الٰہی صرف صوفیائے کرام پر منکشف ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''مخفی نماند کہ عبارت عالی بشارت نظمِ قرآنِ مجید کہ ہر حرفی ازان دریائیست ژرف حامل بس جواہر شگرف و متضمن انواعِ معانی غریب و اصنافِ مضامین عجیب است کہ ہر صاحبِ اندیشہ پیرامونِ خلوت سرای او نتواند گشت و ہر فکرت پیشہ راہ بہ بارگاہِ عزتِ او نتواند بُرد''۔[۲۲]

اِسی مفہوم کو اشعار میں اس طرح ادا کیا ہے:

قرآن کہ محیطی آمدہ ژرف
کونین نہفتہ بین ہر ہر حرف

ہر حرفی ازو جہان بمعنی
سر منزل کاروانِ معنی

ہر نقطۂ او ز راہِ اعجاز
صندوق ہزار گوہرِ راز[۲۳]

ترجمۂ اشعار:

☆ قرآنِ عزیز ایک گہرا سمندر ہے جس کے ایک ایک حرف میں جہان ہائے مطالب پوشیدہ ہیں۔
☆ اس کے حرف حرف میں دُنیائے معنی آباد ہے۔ جہاں قافلۂ معنی کی سرحدیں اختتام پذیر ہو جاتی ہیں۔
☆ اس کا ہر نقطہ اعجاز کے اعتبار سے اسرار و رموز کے ہزاروں موتیوں کا خزینہ ہے۔

تفسیر نظامی غلطی سے مختلف شخصیات سے منسوب ہوتی رہی ہے مثلاً سی-اے-اِسٹوری نے اپنی

کتاب پرشیئن لٹریچر میں پارۂ عم کی ایک فارسی تفسیر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ تفسیر، آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن میں موجود ہے اور مزید برآں یہ تفسیر قاضی حمید الدین ناگوری (م۶۰۵ھ) اور صوفی حمیدالدین ناگوری (م۶۷۲ھ) میں سے کسی ایک کی تفسیر ہو سکتی ہے۔[۲۴] راقم الحروف نے مذکورہ تفسیر کا زیراکس آصفیہ لائبریری حیدر آباد دکن سے حاصل کیا۔ ترقیمہ کی عبارت میں اسے حمید الدین کی تفسیر لکھا گیا ہے لیکن تحقیق اور مطالعہ سے ثابت ہوا کہ یہ تفسیر فی الحقیقت نظام الدین تھانیسری کی تفسیر نظامی کا حصہ پارۂ عم ہے جسے غلطی سے قاضی حمیدالدین ناگوری سے منسوب کر دیا گیا۔

اِسی طرح حضرت محمد گیسو درازؒ (م۸۲۵ھ) کے نام فارسی کی ایک جزوی تفسیر (تفسیر سورۂ فاتحہ) منسوب ہے اور یہ اُن کے مجموعۂ رسائل میں موجود ہے[۲۵] اور مطبوعہ ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد منکشف ہوا کہ یہ بھی نظام الدین تھانیسری کی تفسیر سورۂ فاتحہ ہے جسے غلطی سے سیّد محمد گیسو درازؒ کے نام منسوب کر دیا گیا۔

تفسیر نظامی میں سے سورۂ فاتحہ اور پارۂ عم کی تفسیر ۱۳۰۵ھ میں بجنور سے طبع ہوئی۔

اُسلوبِ تفسیر

کیفیتِ ترجمہ

مفسر کسی آیت کی تفسیر سے قبل اس آیت کا ترجمہ تحریر کرتا ہے۔ ترجمہ بامحاورہ اور بالعموم قرآنی الفاظ کے تابع ہوتا ہے لیکن بعض اوقات مفسر اپنی صوفیانہ تفسیر کی ضروریات کے پیش نظر ترجمہ میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیتا ہے۔ اس طرح تفسیر نما ترجمہ بن جاتا ہے۔

مثال: سورۃ الکوثر کا ترجمہ (سورۂ ۱۰۸)

اِنّا اعطینک الکوثر	بدرستی کہ عطا کردیم ما ترا کوثر
فصل لربک والنحر	پس نماز گزار و قربانی کن برایِ خدای خود
اِنّ شانئک هو الابتر	بدرستی کہ عیب کنندۂ تو کہ ترا ابتر می خواند، اوست ابتر۔[۲۶]

سورۃ النصر کا ترجمہ(سورۃ۱۱۰)

اِذا جاءَ نصْرُالله والفتح	چون آمد یاری کردنِ خدا و آمد فتح
ورأیت الناس ید خلون فی	و دیدی تو ای مرشدِ روزگار کہ می آیند
دین اللّٰہِ افواجا. فسبح بحمد	این مترشدان طالب در دینِ خدا گروہ گروہ
ربّکَ واستغفرہ	پس بپاکی یاد کن خدای خود را و طلب
اِنہ‘ کان توّابا	غفران نما از برایِ خود۔ بدرستی کہ اُوست
	توبہ پذیرندۂ تائبان۔[۲۷]

تشریح الفاظ

زیرِ نظر تفسیر میں کہیں کہیں بعض الفاظ کے معانی بھی درج کیے گئے ہیں لیکن اِس ضمن میں مفسر کی نگاہِ انتخاب بہت کم الفاظ پر پڑتی ہے۔ مثلاً سورۃ القریش کے سلسلے میں لفظِ قریش کے بارے میں رقم طراز ہیں:

’’قریش قبیلہ است در عرب، در غایت قوت و عظمت، و نصر بن کنانہ از جہت صولت وصلابتِ او بر احیایِ عرب باین لقب ملقب گشتہ بود ہر کسی کہ نسبتش بہ نصر می رسد، قریش است۔[۲۸]

اُردو ترجمہ: قریش عرب کا ایک نہایت صاحبِ قوت و عظمت قبیلہ ہے۔ نصر بن کنانہ (جو قریش کے مورثِ اعلیٰ ہیں) عرب قبائل پر اپنے رعب و جلال کی وجہ سے اس لقب سے مشہور ہوا۔ (اَب) جس کی نسبت نصر بن کنانہ تک پہنچتی ہے وہ قریش ہے۔

تفسیر تصوف کی روشنی میں

تفسیر نظامی از اوّل تا آخر ایک صوفیانہ تفسیر ہے۔ اِس تفسیر کی ہر سطر سے مترشح ہے کہ ایک صوفی نے اپنے عقاید کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر و تاویل کی ہے۔

مثال: قل ھو اللہ احد[۲۹] خداوند تعالیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ خطاب بآن سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ مرشد و پیشوای عالم است می فرماید اِصالۃً و بعرفایِ کرام کہ میراث داران اویند تبعاً کہ بگو ای مرشد باین سالکانِ راہِ خدا بہ تعلیم علم وحدتِ وجود ارشاد شان فرمای کہ اوست خدای یگانہ ہم در ذات و ہم در صفات و بس وتعیناتِ ممکنات کہ متہم بخیراند ہمہ مظاہر جمال اویند غیر نہ حقیقی کہ سوای او از نہان خانۂ عدم بصحرایِ وجود نیامدہ و نشاید کہ غیر اُو را

وجود باشد کہ احد مطلق اوست واحد مطلق آن بود کہ او را باہیچ چیز در ہیچ چیز انباز نباشد نہ در وجود ،نہ در نمود۔ (۳۰)

ترجمہ: خداوندِ قدوس، حضور نبی کریم ﷺ سے، جو مرشد و مقتدائے عالم ہیں براہِ راست اور عرفائے کرام سے جو آپ کے (معنوی) ورثا ہیں، بالواسطہ خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے مرشدِ کامل، سالکینِ راہ کو وحدت الوجود کی تعلیم سے بہرہ ور کیجئے اور اُنہیں فرما دیجئے کہ وہی خدائے واحد و یکتا ہے، ذات کے لحاظ سے بھی اور صفات کے اعتبار سے بھی اور جہاں تک ممکنات کی تعیین و تحدید کا تعلق ہے جو خالصتاً غیر ہیں، سب اُس کے جمال جہاں آرا کے مظاہر ہیں کیونکہ اس کے سوا نہاں خانۂ عدم سے صحرائے وجود میں کسی نے قدم نہیں رکھا اور ایسا ہونا بھی نہ چاہیے کہ اس کے بغیر کسی چیز کا وجود ہو کیونکہ احد مطلق وہی ہے اور احد مطلق وہ ہوتا ہے کہ اس کا کسی بھی لحاظ سے شریک و سہیم نہیں ہوتا نہ وجود میں اور نہ نمود میں (نہ پوشیدہ نہ ظاہر)

تفسیر احادیث کی روشنی میں

مفسر دورانِ تفسیر اپنے معتقدات و نظریات کی تائید و توثیق میں احادیثِ نبوی سے بھی استفادہ کرتا ہے۔

مثال: **فویل لّلمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون.** (۳۱)

''یعنی شدتِ عذاب بُعد و ہجران مر این اصحاب راست کہ از نماز خود ساہی اند و غافل کہ فی الحقیقت نمازی کہ **الصلوٰۃ معراج المؤمنین** نعت آن است، آن بود کہ بشہود حضرت لاکیف فائز گردند و ایشان رتبۂ وصال را مقصد اقصیٰ دانستہ از حقیقت نماز غافل می مانند۔ (۳۲)

ترجمہ: یعنی عذاب کی شدّت اور ہجر و فراق کی سختی اُن لوگوں کے لیے ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، درحقیقت ایسی نماز جس کی تعریف میں الصلوٰۃ معراج المومنین فرمایا گیا ہے، وہ نماز ہے جس کی وساطت سے بارگاہِ قدس میں حاضری سے فیض یاب ہوا جائے۔ لیکن عام لوگ وصال (معراج) کو ایک بعید از حصول مقصد گردانتے ہوئے نماز کی حقیقی روح سے غافل و محروم رہتے ہیں۔

تفسیر آیات کی روشنی میں

تفسیر زیر نظر میں اثنائے تفسیر دیگر آیاتِ قرآنی سے بھی استشہاد کیا گیا ہے۔

مثال: **فجعلھم کعصفٍ مّأکول**.[۳۳]

''پس گردانید ایشان را ہمچو برگی خوردہ شدہ یا دانۂ کرم خوردہ کہ ہمہ اجزائے دانہ را از اندرون خوردہ، پوست رقیق گذاشتہ باشد یعنی کشورِ ہستی ایشان را چنان تاراج و غارت ساخت کہ ہرچہ لوازم اثنیت و متعلقان غیر و غیریت بود ہمہ را در تصرفِ خود در آورد۔ **اِنَّ المُلُوکَ اِذَا دَخَلُوا قَرْیَۃً اَفسَدُوھَا و جَعَلُوا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اذِلّۃً**''.[۳۴]

ترجمہ: پس اُنہیں گلے سڑے پتے کی مانند کر دیا یا اس دانے کی طرح جس کے اندرونی اجزاء کو کیڑے نے کھا کر باریک سا خول باقی چھوڑ دیا ہو یا بہ الفاظ دیگر انہیں (تاجدار) مملکتِ ہستی نے بایں طور تاخت و تاراج کیا کہ جو کچھ بھی دوئی کے لوازمات یا غیر اور غیریت کے متعلقات سے تھا اُسے زیرِ تصرف و تسلط کر لیا۔ **ان الملوک**......

اُسلوبِ نگارش

مشکل اُسلوبِ بیان

صوفیاء کے اندازِ تفسیر سے متعلق ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

''اُن کا اندازِ تحریر نہایت دقیق ہوتا ہے۔ اُن کے کلام کے فہم و ادراک پر وہی شخص قادر ہو سکتا ہے جو بحرِ تصوف کا شناور ہو ورنہ اُن کا مطلب سمجھنا آسان نہیں۔[۳۵]

تفسیر نظامی بھی دقیق ہے۔ تصوف کی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ مشکل زبان اور دقیق پیرایۂ اظہار مل کر مفہوم کو مشکل تر بنا دیتے ہیں۔

متکلفانہ عبارات

تفسیر نظامی میں پُرتکلف عبارات اور انشاء پردازی کے نمونے بکثرت مِل جاتے ہیں۔ مفسر کہیں کہیں مسجّع و مقفیٰ الفاظ لانے کی بھی سعی کرتا ہے۔ بالخصوص سورۃ الفاتحہ کی تفسیر متکلفانہ نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مثال: الرحیم بخشایندہ فیض دیگر بمشاہدہ انوارِ ربانی و کشفِ حقائق ربانی بدیدۂ باطن بہ تجلی

جبروتی کہ اذا تم الفقرا فھو الیہ رمزی ازوست وھو اللّٰہ فی السمٰوٰت وفی الارض اشارہ بدوست۔ درین مشاہدہ ایست کہ در تنزل وقت او دوام شہود است و ریب و شک درین جا مفقود است و غیر و غیریت را پیش دیدۂ سالک نہ وجود است بخلاف تجلی اوّل کہ ہر چند دران وقت مشاہدۂ جمال ذی الجلال شام این حال است اما بعد غروب آفتاب شہود وقتی نوعی از تیرگی ریب و شک از افق دلِ سالک ظاہر می گردد۔(۳۶)

شاعرانہ نثر

تفسیر زیرِ نظر کے بعض مقامات شاعرانہ اور ادیبانہ نثر کے پیرائے میں ڈھل گئے ہیں۔ ایسے مقامات پر مفسر خیال آفرینی، لفظی صنائع بدائع اور تشبیہات و استعارات سے کام لے کر نثر میں شعریت پیدا کر دیتا ہے۔

مثال: چون مدتی در زندانِ عالم کثرت و غیریت محبوس بودہ اصلاً بوی از گلزار عالم وحدت بمشامِ ایشان نرسیدہ بود ۔ناگاہ از مہب انفاس مرشدان راہ روائح باغستان این علم وزیدن گرفت برخی کہ فساد ہوای عالم کثرت مزاجِ فطرت را مختل ساختہ بود راہِ تاثیر این نسیم در دماغ شان مسدود شدہ باغوای اکاذیب جہان مجاز سرگردان صحرایِ شک گشتند و برخی کہ دماغ روزگارِ ایشان از آلائشِ امورِ ناسوتیہ صاف بود، انفاس این نسیم مشامِ دولتِ ایشان را معطر و مطیب ساختہ حقیقت این معنی راہ بہ یقین دانستند۔(۳۷)

ترجمہ: چونکہ وہ لوگ ایک مدت تک عالم کثرت و غیریت کے قیدخانے میں مقید رہے لہذا عالمِ وحدت کے باغ کی خوشبو، مطلقاً اُن کے مشامِ جان تک نہ پہنچ سکی۔ پھر دفعتاً مرشدوں کے سینہ ہائے پُرانواز سے نسیمِ جانفرا کے جھونکے اُس طرف چلنے لگے، کچھ لوگ جن کے مزاجِ فطرت کو عالمِ کثرت کی فاسد ہوا نے مختل کر دیا تھا اور اُن کے دماغ اِس نسیمِ جانفرا سے متاثر ہونے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے مزید براں جہانِ مجاز کے کذب و دروغ نے اُنہیں اغوا کیا اور صحرائے شک و شبہ میں سرگردانی و آشفتہ مزاجی کے لیے چھوڑ دیا تھا اور کچھ لوگ جن کا دماغ امور ناسوتیہ کی آلائش سے پاک و صاف تھا۔ مذکورہ نسیمِ جانفزاء کے جھونکوں نے اُن کے مشامِ جان کو معطر و مطیب بنا دیا اور اُنہوں نے اس معنی کی حقیقت کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لیا ۔

حکایاتی انداز

مفسر دورانِ تفسیر تصوف کے اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے، کہیں کہیں کوئی واقعہ یا حکایت درمیان میں لے آتا ہے جو بالعموم کسی صوفی کی زندگی سے متعلق ہوتا ہے اور اس قسم کی حکایت یا واقعہ کا مقصد زیرِ بحث نکتہ کی وضاحت و صراحت کرنا ہوتا ہے:

مثال: وایّاکَ نستعین [۴۰] و خاص از تو یاری می جوئیم، ما در اثبات یگانگی تو کہ در آن شائبۂ شرکِ جلی و خفی نباشد۔ شرکِ جلی آن باشد کہ نامِ غیری بر زبان رانیم و عالم را سوایِ وی دانیم ؛خفی آنکہ خطرۂ در دل گذرانیم و تاثیراتِ را اثر اشیاء دانیم و از مؤثرِ حقیقی غافل مانیم۔

مناسب این منقول است کہ چون مرغِ روحِ سلطان العارفین شیخ با یزید بسطامیؒ از قفسِ عالمِ فانی طیران نمودہ در ریاض القدس جاگرفت، ندا آمد کہ با یزید! ما را چہ تحفہ آوردی؟ جواب داد کہ خداوند تحفہ سزا وارِ درگاہِ تو ندارم اِلا شرک نیاوردم۔ خطاب آمد الا لیلۃ اللبن ونہ چنین است کہ تومی گوئی۔ یاد کن آن شب را کہ شیر خوردہ بودی و شکم ترا درد گرفتہ بود۔ آن درد را نسبت بہ شیر کردی ہیہات ہیہات چہ توان کرد۔

از درِ خویش مرا بر درِ غیری ہیری   باز میگوئی کہ چرا بر درِ غیری گذری [۴۱]

ترجمہ: و ایاکَ نستعین اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہم تیری وحدانیت کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اُس میں شرکِ جلی وخفی کا شائبہ تک نہ ہو۔ شرکِ جلی یہ ہے کہ ہم کسی غیر کا نام زبان پر لائیں اور عالم کو اس کے سوا سمجھیں۔ شرکِ خفی یہ ہے کہ کسی غیر کا خیال دِل میں جاگزیں کریں اور تاثیرات کو اشیاء سے منسوب کریں اور مؤثرِ حقیقی سے غافل رہیں۔ اس نکتہ کی مناسبت سے ایک قصہ منقول ہے کہ جب سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی کی روح کا پرندہ عالم فانی کے پنجرے سے اُڑا اور ریاض قدس میں جا بیٹھا تو آواز آئی کہ اے بایزید ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ اُنہوں نے جواب میں کہا کہ خداوند تعالیٰ تیرے لائق کوئی تحفہ تو نہیں لایا لیکن صرف شرک نہیں لایا۔ خطاب ہوا: مگر صرف دودھ والی رات کو۔ بلکہ ایسا نہیں ہے جس طرح تو کہتا ہے ذرا اُس رات کو یاد کر کہ تو نے دودھ پیا تھا اور تیرے پیٹ میں درد اُٹھا تھا۔ تو نے اُس درد کو دودھ سے منسوب کیا تھا...... ہائے ہائے کیا کِیا جا سکتا ہے؟

شعر: مجھے اپنے دروازے سے غیر کے دروازے پر لے جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ غیر کے دروازے پر کیوں جاتا ہے

برمحل اشعار کا استعمال

اِس تفسیر میں عبارت آرائی کے سلسلے میں موزوں اور برموقع اشعار کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے چونکہ فارسی شاعری کا ایک اہم موضوع تصوف بھی ہے بلکہ یہ ضرب المثل زبان زدِ خاص و عام ہے کہ ''تصوف برایِ شعر گفتن خوب است''۔ لہذا صوفیاء اپنی تحریروں میں متصوفانہ اشعار سے خوب استفادہ کرتے ہیں۔ اِس تفسیر میں بھی جابجا اور بکثرت اشعار معرضِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ مفسر کا شعری ذوق اور نظرِ انتخاب ہر دو داد کے قابل ہیں۔ اُس نے جس موزونیت اور رنگارنگی سے اشعار کا استعمال کیا ہے وہ فی الواقع قابلِ تحسین و ستائش ہے۔

مثال: **ولاالضالین** [۳۸] و نہ راہِ گمراہان کہ تمنای وقتی دامن گیر ایشان شدہ از طلبِ ترقی باز داشتہ است و متکلم باین بیت ساختہ:-

با انتظار لقایش حسین بود گاہی　　　که در مقابل چشم ہمیشہ صورتِ اوست

ھیھات ھیھات منازل طریق الوصول لاتقطع ابد الابدین نہ حسنش آخری دارد نہ سعدی را سخن پایان۔

بمیرد تشنہ مستسقیٰ و دریا ہم چنان باقی

شربتُ الحبَ کاساً بعد کاسٍ
فما نفد الشراب وما رویت

ہزار ساغرِ دریا اگر بہ بادہ کشیم
ہنوز ہمت ما بادۂ دگر بکشد [۳۹]

ترجمہ: اور نہ گمراہوں کا راستہ چونکہ وقتی خواہش و تمنا اُن کے دامن گیر ہو گئی ہے جس نے اُنہیں ترقی کے راستے پر گامزن ہونے سے روک دیا ہے اور پھر اس شعر کا مصداق بنا دیا ہے۔

اُس کی ملاقات کے انتظار کا وقت بھی بڑا حسین ہوتا ہے کیونکہ اُس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہمیشہ اُسی کی صورت جلوہ گر ہوتی ہے۔

افسوس صد افسوس کہ وصلِ محبوب کے راستے کی منزلیں کبھی طے نہیں ہوتیں۔
نہ اُس کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی پر شاعری کا اختتام ہے۔ مرضِ استسقیٰ کا مریض مر جاتا ہے اور دریا کا پانی اِسی طرح باقی رہتا ہے۔
میں نے محبت کی شراب کے خم پر خم لنڈھائے لیکن نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔
میں اگر ہزاروں پیالے شراب پی جاؤں تو اس کے باوجود میری ہمت مزید شراب کے لیے مضطرب رہے گی۔

مصادر اورحوالے

۱۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، نول کشور، لکھنو، ۱۳۳۲ھ، ص ۲۴۱
۲۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، نول کشور، کانپور، ج۱، تاریخ ندارد
۳۔ عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۷، جلد۵ ،ص ۴۳۱
۴۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مذکور، جلد۱، ص ۴۶۳
۵۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مذکورہ، ص ۲۴۱
۶۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مذکور، ج۱، ص ۶۶۳، ۶۶۴
۷۔ عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، مذکور، ج۵، ص ۴۳۱
۸۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، مکتبہ حسن سہیل، لاہور، تاریخ ندارد،ص۴۲۳
۹۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مذکور، ص ۲۴۱
۱۰۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، مذکور، ص ۴۲۳
۱۱تا۱۵۔ ایضاً ص ۴۲۳
۱۶۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مذکور، ص ۲۴۱
۱۷۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مذکور، ج۱، ص ۴۶۴
۱۸۔ سی-اے-اِسٹوری، پرشیئن لٹریچر بہ اضافات یوری برگل ماسکو۱۹۷۲، ص ۱۷۷
۱۹۔ احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہایِ خطی فارسی پاکستان، ج۱، اسلام آباد، ۱۹۸۲، ص ۵۳
۲۰۔ عارف نوشاہی، فہرست نسخہ ہایِ خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۲، ص ۶
۲۱۔ سی-اے-اِسٹوری، پرشیئن لٹریچر ،مذکورہ، ص ۱۷۷
۲۲۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب (تفسیر نظامی)، بجنور، ۱۳۰۵ھ، ص ۶، ۷
۲۳۔ ایضاً ص ۶، ۷
۲۴۔ سی-اے اِسٹوری، پرشیئن لٹریچر، رائل ایشیاٹک سوسائٹی برطانیہ، ۱۹۲۷ ص ۶
۲۵۔ خواجہ گیسودراز، یازدہ مسائل، کراچی ۱۹۶۷، ص ۱-۸
۲۶۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکورہ، ص ۱۲۲
۲۷۔ ایضاً ص ۱۲۸، ۱۲۹
۲۸۔ ایضاً ص ۱۲۰

۲۹۔ سورہ اخلاص، آیت ۱
۳۰۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۱۳۳
۳۱۔ سورۃ الماعون، آیت ۴، ۵
۳۲۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۱۲۲
۳۳۔ سورۃ الفیل ، آیت ۵
۳۴۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۱۱۹
۳۵۔ ڈاکٹر صبحی صالح، علوم القرآن، اُردو ترجمہ غلام احمد حریری، فیصل آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۴۲۲
۳۶۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۲
۳۷۔ ایضاً ،ص ۲
۳۸۔ سورہ فاتحہ، آیت ۷
۳۹۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۶
۴۰۔ سورہ فاتحہ، آیت ۴
۴۱۔ نظام الدین تھانیسری، فاتحۃ الکتاب، مذکور، ص ۴